ابتدائیہ

محمد رحمت اللہ

(الف) فرصت کا مناسب استعمال

حدیث پاک میں جن چیزوں کو غنیمت جاننے کی ترغیب بلکہ تاکید کی گئی ہے ان میں سے ایک اہم چیز وقت یعنی فرصت بھی ہے۔ کہ ایک لمحہ میں آدمی بڑی دولت کما سکتا ہے وہ دولت دنیاوی بھی ہوسکتی ہے دینی بھی۔ اور ایک ایمان والے کے مدنظر جب لامحدود آخرت اور وہاں پر ملنے والی راحت ہے تو اس کے نزدیک اس کی اہمیت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے۔ بڑے لوگوں کی سوانح حیات اور تذکرے اس بات کے گواہ میں کہ انہوں نے وقت کی قدر کر کے بڑے بڑے کارنامے انجام دئے، عظیم مرتبے حاصل کئے۔ ایک دن میں مکمل قرآن کریم کی تلاوت، لاکھوں مرتبہ ذکر اسم ذات، کئی سو رکعت نفل پڑھنے کے واقعات مستند اور معتبر بلکہ اسمائے الرجال کی کتابوں کا جز ہیں۔ یہ وقت کی قدر دانی سے ہوا، اس میں اللہ تبارک وتعالی نے ایسی برکت ڈالدی کہ جن لوگوں کو اس ماحول سے واسطہ نہیں ہوتا وہ ان واقعات کو تعجب کی نظر سے دیکھتے ہیں، بعض لوگوں کو ان کے حقیقی ہونے میں شبہ ہونے لگتا ہے جبکہ یہ واقعات فرضی نہیں سو فی صد حقیقی ہوتے ہیں۔ اس ماحول کے ساتھ تعلق نہ ہونے کی بنا پر لوگوں کو یہ ناقابل یقین محسوس ہوتے ہیں ایسی صورتحال میں وہ اس پر تعجب کا اظہار نہ کریں تو کیا کریں؟

اگر ہم غور وفکر کریں گے تو ہمارے پاس بھی ایسا بہت سارا وقت نکل آئے گا جس میں ہم بھی بہت کچھ کر سکتے ہیں مگر اس کی طرف دھیان نہ دیئے جانے کی بنا پر

****

ہمارا کافی وقت اس طرح گذر جاتا ہے کہ ہمیں پتہ نہیں چلتا۔

مثال کے طور پر مختلف تعطیلات میں ہم اکثر و بیشتر غیر ضروری کاموں کو اہم سمجھ کر ان میں کافی وقت خرچ کر دیتے ہیں اور یہ تعطیلات کبھی مختصر ہوتی ہیں کبھی طویل۔ جیسے کہ گرمائی علاقوں میں سکولوں اور کالجوں میں شدید گرمی میں کئی مہینہ کی تعطیلات ہوتی ہیں، اسی طرح سے سرمائی علاقوں میں شدید سردی میں کئی مہینوں کی تعطیلات ہوتی ہیں۔ جس دوران راتیں بھی کافی طویل ہوتی ہیں۔ اکابر اہل اللہ و اسلاف ان اوقات سے فائدہ اٹھا کر لمبی اور طویل راتوں میں دینی مجالس، اسلامی تعلیمات پر مشتمل اجتماعات یا تبلیغی پروگرام کرتے تھے، اس طرح سے یہ فرصت کا وقت کارآمد بن جاتا تھا لیکن مادیت اور مغربیت کے اس دور میں تعلیمات سے واقفیت اور دینی معلومات میں کمی واقع ہو رہی ہے۔ اس کا نتیجہ دین سے دوری ہے۔ جبکہ ایمان والے کے لئے دین سے دوری انتہائی مضر ہے۔

اس لئے یہ بات بہت ضروری ہے کہ اپنے اوقات کا جائزہ لیکر ایک ایمان والا اپنے خالی اوقات کو کارآمد بنائے۔ دینی علم اور عمل میں جو کوتاہی ہو اس کو دور کرنے کے لئے اس وقت کو استعمال میں لائے، اس کے لئے اس علم کے واقف کاروں اور خدمت گاروں سے رابطہ کر کے ان سے استفادہ کی کوشش کرے۔ اس طرح پر نہایت ہی سہولت اور آسانی کے ساتھ ان خالی اور فرصت کے اوقات میں وہ دولت حاصل کی جاسکتی ہے جو اس پوری دنیاوی زندگی میں اور آنے والی طویل لامحدود آخرت میں کام آنے والی ہے اور انسان کی اصلاح اور فلاح کا ذریعہ بن سکتی ہے۔ اللہ تعالیٰ توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

****

(ب) آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے

حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانیؒ اللہ کے حضور میں

مادر علمی دارالعلوم دیوبند کا جو طالب علم مادر علمی کی تاریخ اور وہاں کے نامور فرزندوں سے دلچسپی رکھتا ہے وہ جہاں پر حجۃ الاسلام حضرت مولانا محمد قاسم نانوتویؒ، حضرت حاجی عابد حسینؒ، حضرت مولانا شاہ رفیع الدینؒ جیسی اولوالعزم شخصیات سے متعارف ہوجاتا ہے وہیں دوسری طرف سے حضرت شیخ الہندؒ، حضرت حکیم الامت تھانویؒ، حضرت علامہ انور شاہ کشمیریؒ، حضرت علامہ شبیر احمد عثمانیؒ، حضرت مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحبؒ اور حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحبؒ جیسی عبقری شخصیات سے بھی واقف ہوجاتا ہے۔ چنانچہ ۱۹۷۹ء میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند سے فارغ ہونے کے بعد جب ہر فاضل کے دل میں اس کے شوق کے مطابق اپنا اپنا جذبہ موجزن تھا۔ راقم السطور بھی اپنے اس جذبہ کو محسوس کررہا تھا کہ دو شخصیات ایک جانشین علامہ انور شاہؒ کشمیری یعنی حضرت علامہ محمد یوسف بنوریؒ اور دوسرے صاحب معارف القرآن حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ جیسے نابغہ روزگار حضرات سے استفادہ وملاقات کی حسرت دل میں رہ گئی۔ بتقدیر الٰہی ۱۹۷۹ء میں مدرسہ اسلامیہ عربیہ کے نام سے بانڈی پورہ میں گیارہ طلباء کی مختصر سی تعداد کے ساتھ مدرسہ کی بنیاد رکھی گئی وہ اب دارالعلوم رحیمیہ کے نام سے جانا جاتا ہے۔ اگلا سال ۱۹۸۰ء میں دارالعلوم دیوبند کے مشہور تاریخی اجلاس صد سالہ کی ہماہمی میں

****

گذرا وہاں کے اس عالمی اجتماع میں عرب وعجم کے مختلف اکابر علماء ومشائخ کی زیارت وملاقات ہوئی۔ اجلاس کے دوران ہم چند طلبہ اسٹیج پر ڈیوٹی تھے۔ اس کے چند سال بعد بتوفیق الٰہی اپنے عزیزوں کے یہاں کراچی حاضری ہوئی، یہ سن انیس سو عیسوی کی آٹھویں دہائی تھی۔ چچا جان مرحوم کی رہبری میں جیکب لائن کراچی حضرت مولانا احتشام الحق تھانویؒ کی یادگار جامع مسجد میں ایک جمعہ حضرت مولانا احترام الحق تھانویؒ کی اقتداء میں ادا کرنے کی سعادت نصیب ہوئی، اسی شام کو حضرت مولانا ڈاکٹر عبدالحی عارفیؒ خلیفہ حضرت تھانوی کی عصر بعد کی مجلس میں شرکت کا شرف حاصل ہوا۔ اس سے اگلے روز جامع العلوم الاسلامیہ بنوری ٹاون میں حضرت مولانا محمد یوسف لدھیانویؒ جو اس وقت عالمی مجلس تحفظ ختم نبوت کے نائب امیر تھے کی خدمت میں حاضری دی۔ صدر کراچی سے واپسی لانڈھی تھی اس لئے اس طرح نظام بنا تھا کہ لانڈھی سے پہلے کورنگی آتا ہے اس لئے یہی دن دارالعلوم کراچی میں حاضری کا بھی تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے نہایت جذبات کی کیفیت کے ساتھ اس دارالعلوم میں حاضری ہوئی۔ مادر علمی دارالعلوم دیوبند کی عادت کے مطابق بخاری شریف کے اسباق اور عصر بعد کی مجالس کے بارے میں معلومات حاصل کیں، اس زمانہ میں دارالعلوم کراچی میں استقبالیہ پر مولانا اشفاق احمد قاسمی گیاوی واردین کی رہبری پر مامور تھے جبکہ حضرت علامہ سبحان محمود مسند حدیث پر جلوہ افروز تھے جہاں سے وہ تشنگان علوم نبوی کو سیراب فرماتے تھے اور بعد عصر عشق ومحبت کے بادہ خوار شائقین کو جام معرفت پلاتے تھے۔ یہ سعادت بڑی ہی

****

خوش نصیبی کی تھی ۔ دارالعلوم دیوبند سے طبیعت میں حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب جواب رحمۃ اللہ علیہ ہو چکے تھے کے باقیات صالحات کا دیدار اس عظیم جامع میں ورود کا اہم مقصد تھا۔ اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے حضرت مفتی صاحبؒ کے دونوں صاحب زادگان باکمال حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی صاحب کی زیارت وملاقات سے سرفرازی نصیب ہوئی۔ یہ تھی حضرت مولانا مفتی محمد رفیع عثمانی صاحب سے سب سے پہلی ملاقات جس کے لئے اتنی لمبی تمہید کو بلکہ آپ بیتی کو قلمبند کیا گیا۔ اس دور میں اس قدیم دنیاوی ترقی یافتہ شہر میں حضرت مفتی ولی حسن ٹونکی، محدث وقت مولانا مفتی ادریس میرٹھی اور شیخ الحدیث مولانا سلیم اللہ خان صاحب، جبکہ دیگر مقامات میں حضرت مولانا فقیر محمد صاحب پشاور خلیفہ حضرت تھانوی، مولانا مفتی عزیز الرحمٰن صاحب راولپنڈی، مولانا شاہ نفیس الحسینی صاحب خلیفہ حضرت رائے پوری، مولانا محمد شریف صاحب تلمیذ حضرت شیخ الاسلام مدنی نیز حضرت شیخ الحدیث مولانا محمد زکریا صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے خلفائے گرامی میں مولانا محمد یحیی مدنی، مولانا حافظ صغیر عالم جیسی ہستیاں موجود تھیں جن کی خدمت میں باریابی کا شرف حاصل ہوا۔ لیکن کراچی کے لئے اپنے چچا اور ان کے فرزندان یعنی چچازاد بھائی بہنوں سے ملنے کے لئے بار بار جانا ہوتا۔ اس لئے ہر سفر میں حضرت مفتی محمد رفیع صاحب اور مفتی محمد تقی صاحب کی ملاقات بار بار نصیب ہوتی۔

متعدد مرتبہ حضرت مولانا کی زیارت وملاقات کے علاوہ ان کی مجالس اور

****

مواعظ سے فیضیاب ہونے کے مواقع اللہ تعالیٰ نے عنایت فرمائے ایسا بھی ہوا کہ راقم الحروف کسی بیرونی ملک کے سفر پر رہا وہاں پر پتہ چلا کہ ان دنوں حضرت مولانا مفتی محمد رفیع صاحب بھی یہاں کے دورے پر ہیں تو احقر پروگرام معلوم کر کے ضرور اس بات کی کوشش کرتا کہ حضرت والا سے استفادہ کا موقعہ میسر ہو۔ ایک مرتبہ ساؤتھ افریقہ کے سفر میں ڈربن کے مقام پر حضرت مفتی صاحب کا وہاں کے علماء کرام اور مفتیان عظام کی مجلس میں ''علماء کرام کے اوپر دور حاضر میں ذمہ داریاں'' کے عنوان پر بیان تھا اس میں بھی شرکت نصیب ہوئی۔ اسی طرح ایک موقعہ پر راقم السطور اپنے رفقاء کے ساتھ کسی ساحلی سمندری علاقہ میں سمندر کے کنارے واقع عجائب قدرت کے نظاروں سے عبرت حاصل کر رہا تھا اچانک دور سے نگاہ میں حضرت قاری طیبؒ کی وضع والی دو پلی ٹوپی مگر اس سے کافی اونچی پہنے ہوئے خوبصورت اور تن ومند نورانی لباس میں ملبوس شخصیت گھوم گئی تھوڑا دھیان دیا تو سمجھ گیا کہ یہ حضرت مولانا مفتی رفیع صاحب ہیں اس موقع پر مکمل پردے میں مستور ان کے اہل وعیال بھی ساتھ تھے ہم لوگوں نے اجازت حاصل کرنے کے بعد سلام اور دست بوسی کا شرف حاصل کیا اور پروگرام معلوم کر کے شام کو اپنے رفقاء سمیت حضرت والا کے بیان میں حاضری دی۔ اچھی طرح یاد ہے کہ اس زمانہ میں موبائل کیمرہ کی تصویر یا عکس کے بارے میں بحث علماء کرام اور مفتیان عظام کے مابین جاری تھی دوران بیان آپ نے اس بحث کو مس کرتے ہوئے اپنے موقف کو دلیل

****

کے ساتھ ذکر فرمایا۔

ایک مرتبہ کراچی میں اپنے عزیزوں کے ساتھ جن میں سے برادر زادہ عزیزم مفتی محمد عمار سلمہ جو اب دارالعلوم کراچی سے فارغ ہو چکے ہیں بلکہ فقہ المعاملات میں جامعۃ الرشید سے بفضل خداوندی تخصص اور ان کی ہمشیرہ دارالعلوم کراچی کے بنات والے مدرسے سے فراغت حاصل کر چکی ہے ان بچوں کے ساتھ کورنگی حاضری ہوئی وہ لوگ علاقہ لانڈھی میں رہتے تھے جو کورنگی سے نزدیکی فاصلہ پر ہے اس پورے قافلہ کی ملاقات کے علاوہ حضرت نے ضیافت بھی فرمائی اور از راہ بے تکلفی وشفقت استفسار فرمایا کہ چائے پسند کریں گے یا لسی؟ جواباً ہم لوگوں نے بعد مشورہ اپنا اختیار حضرت والا کو ہی تفویض کر دیا تو مسکراتے ہوئے نہایت شفقت کے ساتھ فرمایا کشمیری ہونے کے ناطے ٹھنڈی لسی ہی انسب ہے۔ چنانچہ برف والی نہایت عالی شان لسی پلائی۔

یہ وہ زمانہ تھا جب حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم ہمارے علم کے مطابق کم از کم دو اسفار ہندوستان کے کر چکے تھے ایک بہت پہلے فقہ اکیڈمی کے بہار میں منعقدہ اجلاس کے سلسلہ میں اور دوسرا تازہ ترین سفر وطن اصلی دیوبند کا اس سے یہ استنباط کر کے کہ اب دونوں ممالک کے درمیان سفر میں آسانی ہوئی ہوگی راقم السطور نے کشمیر آنے کی دعوت پیش کر دی جواب میں مسکرا کر فرمانے لگے کیا مجھے وہاں آنے کی اجازت مل سکتی ہے میں نے عرض کیا کہ حضرت آپ کے برادر گرامی

****

قدر جسٹس حضرت مولانا مفتی محمد تقی عثمانی دامت برکاتہم تو حال ہی میں وہاں کا سفر فرما چکے ہیں جواباً ارشاد فرمایا کہ آپ پہلے میری اس کتاب کا مطالعہ کیجئے پھر مجھے دعوت دیجئے اگر دعوت دینا مناسب ہو، یہ کہتے ہوئے احقر کی طرف ہاتھ بڑھاتے ہوئے جو کتاب عطا فرمائی وہ میں نے دیکھی کہ آپ کا سفرنامہ ہے جس میں آپ نے افغانستان جا کر کچھ ایام وہاں کے میدان کارزار میں مشغول اپنے شاگردان با اخلاص اور متعلقین خصوصی کے ساتھ گذارے تھے اس کتاب کا ٹائٹل تھا ''جہاد افغانستان میں سات دن''۔ کتاب کا نام دیکھتے ہی میں خاموش ہو گیا پھر حضرت والا نے مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے تعلیمی احوال کا تذکرہ شروع فرما دیا۔

ایک موقعہ پر آپ کے خادم کے ذریعہ ملاقات کا وقت مانگا آپ نے دوپہر کے سبق کے فوراً بعد کا وقت مرحمت فرمایا اس روز اپنے سفری کاغذات کے اندراج کے لئے میں متعلقہ دفتر میں گیا تھا جو کراچی صدر میں واقع تھا وقت کو ملحوظ رکھتے ہوئے وہاں سے جلد ہی کورنگی کے لئے ایک ایسی میٹاڈور نما گاڑی میں بیٹھا جو اپنے روٹ کے اعتبار سے دارالعلوم کراچی کے گیٹ پر ہی اتارتی خدا کا کرنا اس گاڑی کا روٹ کچھ ایسا تھا جیسے کسی پیسنجر ٹرین کا حال ہوتا ہے بلکہ اس سے بھی آگے بڑھکر گویا اس گاڑی نے ہر دروازہ پر اتر کر اجازت لے کر ہی آگے بڑھنے کا تہیا کیا تھا ۴۰ یا ۴۵ منٹ کا یہ سفر اس گاڑی نے سوا گھنٹہ میں پورا کیا، آدھے گھنٹے کی تاخیر ہو چکی تھی موسم بھی گرمیوں کا تھا مدارس کے ماحول کے مطابق صبح کو اشراق کے بعد سے ہی تعلیم میں مشغول لوگ اس وقت تھک چکے ہوتے ہیں تعلیمی اوقات سے فارغ

****

ہونے پر تناول ماحضر کر کے قیلولہ کی سنت عام طور پر مدارس میں ادا کی جاتی ہے یوں ظہر کی نماز پر کھڑے ہو کر تازہ دم نماز ظہر کے بعد پڑھائی میں دوبارہ مشغول ہو جاتے ہیں۔ جب راقم السطور آدھے گھنٹہ سے زیادہ کی طویل تاخیر پر ندامت کے ساتھ امید ملاقات وخوفِ ناراضگی کے ملے جلے جذبات کے ساتھ حضرت والا کے دفتر تک پہونچا تو حضرت کے خادم نے بتایا کہ حضرت آپ کا دیر سے انتظار کر رہے تھے کہ اسی دوران چند تاجر حضرات ملاقات کے لئے حاضر ہوئے، وہ حضرت کی خدمت میں تشریف فرما ہیں۔ وہ ملاقات سے فارغ ہوں اتنی دیر آپ کو انتظار کی زحمت اٹھانی پڑے گی۔ یہ انتظار راقم کے لئے کچھ بھی بوجھ نہیں تھا کیونکہ احقر کو خود ہی کافی دیر ہو چکی تھی سوچا تھوڑی دیر انتظار کروں گا تو کیا حرج ہے اور انتظار کے ارادے سے رکا رہا۔ لیکن مجھے اس وقت تعجب ہوا جب خادم فوراً ہی یہ کہتے ہوئے واپس آئے کہ حضرت والا آپ کو فوراً ہی بلا رہے ہیں۔ میں نے عرض بھی کیا کہ ملاقاتی حضرات فارغ ہوں تب میں حاضری دوں گا انتظار میں کوئی حرج نہیں لیکن جب انہوں نے بتایا کہ حضرت والا نے ان کی موجودگی میں ہی آنے کی اجازت دیدی ہے تو میں اندر حاضر ہوا سلام ومصافحہ کے بعد دیکھا کہ چہرے پر کسی تکدر اور ناراضگی کے آثار نہیں، فطری طور پر آپ کا چہرہ پُر رعب تھا۔ مسکراتے ہوئے بشاشت کے ساتھ فرمایا آج کل کے ٹرانسپورٹ میں دیر سویر تو ہو ہی جاتی ہے پھر حال و احوال معلوم کر کے تشفی بخش ملاقات کے بعد احقر نے ہی رخصت طلب کی حدیث پاک کی تعبیر میں حتی یکون الرجل ھو الذی یصرفہ پر گویا ان حضرات اکابر کا عمل تھا۔

****

ایک موقعہ پر میرے لڑکے عزیزم مفتی عنایت اللہ سلمہ اور برادر زادہ مفتی محمد عظمت اللہ سلمہ ان دونوں نے دارالعلوم کراچی پہونچتے ہی اس شوق کا اظہار کیا کہ ہم نے یہاں کے شیخین حضرت مولانا مفتی رفیع صاحب اور حضرت مولانا مفتی محمد تقی صاحب کے ایک ایک سبق میں حاضری دینے کی نیت کی تھی ہم لوگوں نے بخوشی اجازت دیدی بلکہ مسرور ہوئے ان کے دل میں یہ جذبہ ہے اس زمانہ میں دارالعلوم کراچی میں درجہ دورہ حدیث شریف ومشکوۃ شریف کے درجوں میں نیا سسٹم (اسٹیڈیم کے طرز کی نشستگاہیں بنائی گئی تھیں تاکہ استاد کو ہر ہر طالب علم پر نظر رہے) دونوں لوگوں نے دونوں کے اسباق میں شرکت کی سعادت حاصل کی سبق سے فارغ ہونے کے بعد باقی رفقاء نے بھی زیارت وملاقات کا شرف حاصل کیا۔

اب تقریباً تین سال سے زائد عرصہ گذرا کہ وہاں حاضری نہ ہو سکی دو سال عالمی وبا کرونا کے اور اس سے پہلے ایک سال کشمیر میں مقامی حالات کی وجہ سے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں سے بھی ملاقات نہیں ہو سکی نہ ہی ان حضرات سے۔ اس طویل وقفہ کے بعد گذشتہ ہفتہ سفر میں اچانک یہ افسوسناک خبر موصول ہوئی کہ حضرت مولانا داعی اجل کو لبیک کہہ گئے۔ (انا للہ وانا الیہ راجعون)۔ موت اٹل حقیقت ہے جس سے انکار نہیں۔ انا للہ پڑھنے کے ساتھ ان للہ ما اخذ ولہ ما اعطی و کل شئی عندہ باجل مسمی کا پورا مضمون لب پر آیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ ذہن میں موجود یہ ساری یادیں تازہ ہو کر سامنے آنے لگیں۔ دیوبند، مادر علمی دارالعلوم، جامعہ دارالعلوم کراچی اور وہاں کا منظر اور ان اکابر کے ساتھ

****

ملاقاتیں سب کچھ گویا آج ہی کی بات ہے۔ سابقہ گیارہ اکتوبر کو گھر میں پڑنے والے مہربانوں کے چھاپہ کے نتیجے میں ابھی تک میرے فون واپس نہیں آسکے، دوستوں کے سارے نمبرات ان ہی فونوں میں موجود ہیں۔ اس لئے تعزیت نامہ بھیجنے میں بھی نمبر حاصل کرنے کا انتظار کرنا پڑا۔ مولانا فیاض صاحب قاسمی کے موبائل سے عزیزی مفتی محمد عمار سلمہ کا نمبر معلوم کر کے اس پر مختصر تعزیتی جملے سپرد قلم کرا کے بھجوادئے۔ وطن واپسی پر یہ چند سطریں کیف ماتفق نوک قلم پر آگئیں اور ان کو حوالہ قرطاس کیا۔

اکابر علماء رخصت ہوتے جارہے ہیں ان الله لا يقبض العلم انتزا عا ينتزعه من العباد ولكن يقبض العلم بقبض العلماء (متفق عليه) کی پیشین گوئی پوری ہورہی ہے۔ ادھر قرب قیامت کے فتن تیزی سے آکر تتابع کی پیشین گوئی کو پورے کررہے ہیں ایسے میں مرحوم اور پسماندگان، متعلقین و منتسبین کے حق میں دعائے صبر اور ان اکابر کے مشن کو پورے عزم وحوصلہ کے ساتھ آگے بڑھانے کی توفیق نصیب ہونے اور امت مسلمہ خصوصا جامعہ دارالعلوم کراچی کو ان کا نعم البدل میسر ہونے کی دعا پر ان منتشر سطور کی تکمیل کررہا ہوں، اس دعائیہ جملے کے ساتھ کہ

آسمان تیری لحد پر شبنم افشانی کرے
سبزۂ نورستہ تیری نگہبانی کرے

****

اسباق تفسیر

عید اور تہوار منانے کا اسلامی اصول

حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب رحمۃ اللہ علیہ

اور اتمامِ نعمت سے مُراد مسلمانوں کا غلبہ اور عروج اور ان کے مخالفین کا مغلوب ومفتوح ہونا ہے، جس کا ظہور مکہ مکرمہ کی فتح اور رسومِ جاہلیت کے مٹانے سے اور اس سال حج میں کسی مُشرک کے شریک نہ ہونے کے ذریعہ ہوا۔

یہاں الفاظِ قُرآن میں یہ بات بھی قابلِ نظر ہے کہ دین کے ساتھ لفظِ اکمال استعمال فرمایا گیا اور نعمت کے ساتھ لفظ اتمام، حالانکہ یہ دونوں لفظ بظاہر ایک دوسرے کے ہم معنی اور مُرادف سمجھے جاتے ہیں۔

لیکن درحقیقت ان دونوں کے مفہوم میں ایک فرق ہے جس کو مفردات القرآن میں امام راغب اصفہانیؒ نے اس طرح بیان فرمایا ہے کہ کسی چیز کا ''اکمال اور تکمیل'' اس کو کہتے ہیں کہ اس چیز سے جو غرض اور مقصود تھا وہ پورا ہوگیا۔ اور لفظ اتمام کے معنی یہ ہیں کہ اب دوسری چیز کی ضرورت اور حاجت نہیں رہی۔ اس لئے ''اکمال دین'' کا حاصل یہ ہوا کہ قانون الٰہی اور احکام دین کے اس دنیا میں بھیجنے کا جو مقصد تھا وہ آج پورا کردیا گیا۔ اور اتمامِ نعمت کا مطلب یہ ہوا کہ اب مسلمان کسی کے محتاج نہیں۔ ان کو خود حق تعالیٰ جل شانہ نے غلبہ، قوت اور اقتدار عطا فرمادیا جس کے ذریعہ وہ اس دینِ حق کے احکام کو جاری اور نافذ کرسکیں۔

یہاں یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اس آیت میں دین کی نسبت تو مسلمانوں کی طرف فرمائی گئی ہے اور نعمت کی نسبت حق تعالیٰ کی طرف، وجہ یہ ہے کہ

****

دین کا ظہور ان اعمال وافعال کے ذریعہ ہوتا ہے جو امت کے افراد کرتے ہیں اور نعمت کی تکمیل براہِ راست حق تعالیٰ کی طرف سے ہے۔(ابن قیم، تفسیر القیم)۔

اس تقریر سے یہ بھی واضح ہوگیا کہ اکمالِ دین آج ہونے کا یہ مطلب نہیں کہ پہلے انبیاء علیہم السلام کا دین ناقص تھا۔ بلکہ جیسا تفسیر بحر محیط میں بحوالہ قفال مروزی رحمۃ اللہ علیہ نقل کیا ہے کہ دین تو ہر نبی ورسول کا اس کے زمانہ کے اعتبار سے کامل ومکمل تھا یعنی جس زمانہ میں جس پیغمبر پر کوئی شریعت ودین اللہ کی طرف سے نازل کیا گیا اس زمانہ اور اس قوم کے لحاظ سے وہی کامل ومکمل تھا۔ لیکن اللہ جل شانہٗ کے علم میں یہ تفصیل پہلے سے تھی کہ جو دین اس زمانہ اور اس قوم کے لئے مکمل ہے وہ اگلے زمانہ اور آنے والی قوموں کے لئے مکمل نہ ہوگا۔ بلکہ اس کو منسوخ کر کے دوسرا دین وشریعت نافذ کی جائے گی۔ بخلاف شریعت اسلام کے جو سب سے آخر میں نازل کی گئی کہ وہ ہر جہت اور ہر لحاظ سے کامل ومکمل ہے۔ نہ وہ کسی خاص زمانہ کے ساتھ مخصوص ہے اور نہ کسی خاص خطہ، ملک یا قوم کے ساتھ۔ بلکہ قیامت تک ہر زمانہ اور ہر خطہ اور ہر قوم کے لئے یہ شریعت کامل ومکمل ہے۔

تیسرا انعام جو اس امت مرحومہ کے لئے اس آیت میں بیان فرمایا گیا ہے وہ یہ ہے کہ اس امت کے لئے اللہ جل شانہ نے اپنے تکوینی انتخاب کے ذریعہ دین اسلام کو منتخب فرمایا جو ہر حیثیت سے کامل ومکمل ہے۔ اور جس پر نجات کا انحصار ہے۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ اس آیت نے یہ بتلا دیا کہ امت مرحومہ کے لئے دین اسلام ایک بڑی نعمت ہے جو ان کو بخشی گئی ہے۔ اور یہی دین ہے جو ہر حیثیت اور جہت سے کامل ومکمل ہے، نہ اس کے بعد کوئی نیا دین آئے گا اور نہ اس میں کوئی کمی

****

بیشی کی جائے گی۔

یہی وجہ تھی کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو عام مسلمان اس کو سن کر خوش ہو رہے تھے مگر حضرت فاروق رضی اللہ عنہ پر گریہ طاری تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے رونے کی وجہ پوچھی تو عرض کیا کہ اس آیت سے اس کی طرف اشارہ معلوم ہوتا ہے کہ اب آپ کا قیام اس دنیا میں بہت کم ہے، کیونکہ تکمیل کے ساتھ ارسال رسول کی ضرورت بھی پوری ہوچکی۔ رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تصدیق فرمائی۔ (تفسیر ابن کثیر وبحر محیط وغیرہ)۔ چنانچہ آنے والے وقت نے بتلا دیا کہ اس کے صرف اکیاسی روز بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے رخصت ہوگئے۔

آخر آیت میں فَمَنِ اضْطُرَّ فِیْ مَخْمَصَةٍ کا تعلق ان جانوروں سے ہے، جن کی حرمت کا بیان شروع آیت میں آیا ہے۔ اور اس جملہ کا مطلب ایک خاص حالت کو عام قاعدہ سے مستثنیٰ کرنا ہے کہ اگر کوئی شخص بھوک کی شدت سے بیتاب ہو جاوے اور خطرہ موت کا لاحق ہو جائے، ایسی حالت میں اگر وہ مذکورہ بالا حرام جانوروں میں سے کچھ کھالے تو اس کے لئے گناہ نہیں۔ مگر شرط یہ ہے کہ پیٹ بھرنا اور لذت حاصل کرنا مقصود نہ ہو، بلکہ صرف اتنا کھالے جس سے اضطرار کی کیفیت رفع ہو جاوے۔

آیت میں غَیْرَ مُتَجَانِفٍ لِّاِثْمٍ کا یہی مطلب ہے کہ اس کھانے میں اس کا میلان گناہ کی طرف نہ ہو بلکہ صرف اضطرار کا رفع کرنا ہو۔ آخر میں فَاِنَّ اللّٰهَ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ سے اس طرف اشارہ ہے کہ یہ محرمات اس وقت بھی اپنی جگہ حرام وناجائز ہی ہیں، صرف اس شخص کو اضطرار کی وجہ سے معاف کر دیا گیا ہے۔

****

اسباق حدیث

حدیث کے اصلاحی مضامین

افادات: حضرت مولانا مفتی احمد صاحب خانپوری دامت برکاتہم

یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ و کونوا مع الصادقین. (التوبۃ:۱۱۹)

وقال تعالیٰ: والصادقین والصادقات. (الاحزاب: ۳۵)

وقال تعالیٰ: فلو صدقوا اللہ لکان خیر الھم. (محمد:۲۱)

صدق کی قسمیں

یہاں علامہ نووی رحمۃ اللہ علیہ نے نیا عنوان قائم کیا ہے باب الصدق۔ ''صدق'' سچائی کو کہتے ہیں۔ علماء نے سچائی کی تقسیم کی ہے اور اس کی کچھ انواع بیان کی ہیں۔ پہلی قسم یہ ہے کہ آدمی بات میں سچا ہو جیسا کہ عام طور پر ہم جب اس لفظ صدق اور سچائی کو استعمال کرتے ہیں اس وقت اسی معنی کو مراد لیا کرتے ہیں کہ وہ اپنی بات میں سچا ہے یعنی جو چیز واقعہ کے مطابق ہو اسی کو وہ اپنی زبان سے ادا کرے، واقعہ کے خلاف اگر کوئی آدمی اپنی زبان سے کوئی بات ادا کرے اور خبر دے تو اس کو جھوٹ سے تعبیر کیا جاتا ہے مثلاً کوئی شخص آیا ہے اس کے متعلق اگر آپ یہ اطلاع دیں کہ فلاں آدمی آ گیا تو چونکہ آپ نے جو خبر دی ہے وہ واقعہ کے مطابق ہے اس لئے یوں کہیں گے کہ آپ نے سچی بات کہی، اور اگر

وہ آیا ہے اس کے باوجود کوئی آدمی یوں کہے کہ نہیں آیا۔ یہ واقعہ کے خلاف خبر دی جا رہی ہے تو اس کو جھوٹ سے تعبیر کیا جاتا ہے کہ یہ غلط اور جھوٹ بات ہے، لہذا ایک تو بات کے اندر سچائی ہوتی ہے۔

عزم وارادہ میں سچائی

دوسری قسم یہ ہے کہ آدمی اپنے عزم وارادہ میں سچائی سے کام لے، مثلاً ایک آدمی نے تجارت شروع کی، تجارت شروع کرتے وقت اس نے اپنے دل میں یہ ارادہ وعزم کیا کہ اگر میری اس تجارت میں اتنا منافع ہوا تو میں مال کی اتنی مقدار اللہ کے راستے میں خرچ کروں گا یا مال کی اتنی مقدار حاصل ہونے پر مسجد تعمیر کر دوں گا، مدرسہ میں اتنے پیسے دوں گا یا غریبوں کی امداد کے اندر اتنی رقم خرچ کروں گا، مطلب یہ ہے کہ عام طور پر آدمی جب کوئی تجارتی کام کرتا ہے یا اسی طریقہ سے کوئی اور معاملہ کرتا ہے تو اپنے دل میں اللہ تبارک وتعالیٰ سے اس سلسلہ میں ایک معاملہ کرتا ہے، ارادہ اور عزم کرتا ہے لہذا جس وقت وہ ارادہ کر رہا ہے تو اتنی پختگی کے ساتھ یہ طے کرے کہ واقعۃً میری جو نیت ہے اگر اس کے مطابق ہو گیا تو میں اللہ کے راستہ میں اتنی رقم خرچ کروں گا تو یوں کہیں گے کہ یہ اپنے عزم وارادہ میں سچا اور پکا ہے، پھر جب اس کی نیت کے مطابق نفع ہو گیا تو اب اپنے اس ارادے کو پورا کرنے میں سچا ہونا چاہیے، ورنہ پھر وہ جھوٹا قرار دیا جائے گا۔

مت پوچھ اِن خرقہ پوشوں کی .....(قسط نمبر ۳۰)

از: مولانا مفتی سید محمد اسحاق ناز کی قاسمی صاحب

(۲) حضرت مولانا محمد قاسم صاحب نانوتویؒ [بانی اعظم دارالعلوم دیوبند سربلند]

حق تو یہ ہے کہ پھل دار ٹہنی ہی جھکی رہتی ہے

آپؒ کے یہاں ہر وقت اکابر علماء وفضلاء کے علاوہ عوام کی بھیڑ رہتی تھی ان کی حسب مراتب مہمان نوازی فرماتے تھے۔ غرباء و مساکین اور بیواؤں پر بکثرت خرچ فرمایا کرتے تھے۔ اس مہمان نوازی اور ایثار و انفاق پر بہت خوش ہوتے تھے۔ ذاتی طور پر سادہ خوراک وکم خوراک والے تھے لیکن مہمانوں کو اچھے سے اچھا کھلانا آپؒ کو بہت ہی پسند تھا۔

اپنے مریدوں اور شاگردوں سے بلا تکلف ملتے جیسے یار اپنے بے تکلف یار سے ملتا ہے اپنے مرید اور شاگرد کا نام احترام سے لیتے تھے اور فرماتے تھے یہ میرے دوست ہیں۔

عام مجالس میں آپؒ ہنس مکھ رہتے تھے اور خلوت میں متفکر، آپؒ کے ایک بے تکلف پیر بھائی اور ہم عمر دوست حضرت مولانا فیض الحسن صاحب سہارنپوریؒ تھے۔ بہت بڑے عالم و عابد اور عربی زبان وادب کے شہسوار تھے۔ دیوان حماسہ اور سبعہ معلقہ جیسے عربی ادب کی شاہکار کتابوں کے شارح تھے اور حضرت علامہ شبلی نعمانی اعظمیؒ کے استاذ۔ انہوں نے ایک مرتبہ بے تکلفی میں حضرت سے کہا:

****

''ابے جاگنوار کے لونڈے! (العیاذ باللہ) تجھے علم وفن سے کیا واسطہ تو جا کر ہل جوت لے اور کھیتی کر۔''

چوں کہ حضرت مولانا سہارنپوریؒ بڑے موٹے اور بھاری بھرکم بدن والے اور سانولے (سیاہ رنگ والے) تھے تو اس کی طرف اشارہ کر کے حضرتؒ نے ہنس کر برجستہ جواب دیا:

''ہاں ایک بھینسا تو مل گیا ہے دوسرا مل جائے گا تو کام شروع کروں گا۔''

آپؒ اپنے مخالفین کا بھی اکرام واحترام کرتے تھے، مہمان کی حیثیت سے وہ آتے تو خوب خدمت فرماتے تھے۔ ادھر سے عمر بھر کسی کو نہیں چھیڑا لیکن جب وہ چھیڑتا تو پورے ادب واحترام کے ساتھ مدلل انداز میں جواب مرحمت فرماتے تھے۔ اس حسن اخلاق کی وجہ سے سخت مخالفین آپ کے عقیدت مند بن جاتے تھے بقول عارف شیرازیؒ: ع

دل دشمنان ہم نہ کردند تنگ

کی عملی مثال آپ کی ذات تھی۔

''آپؒ کن فی الدنیا کانك غریب اوعابر سبیل'' جیسی حدیث شریف پر عمل پیرا تھے یعنی دنیا میں پردیسی بن کر یا مسافر بن کر رہو۔ ورنہ اگر آپؒ چاہتے تو بہترین شاہانہ ٹھاٹھ کے ساتھ رہتے اور آپؒ کو اس کا حق بھی تھا۔ بقول حضرت مولانا محمد یعقوب صاحب نانوتویؒ: (جو آپؒ کے رفیق درس بھی تھے اور رشتہ دار بھی اور پیر بھائی بھی۔)

''بلا مبالغہ کہتا ہوں کہ چاہتے تو سونے کی دیواریں بنا لیتے مگر اپنے گھر میں ایک چھوٹا

****

روڑا بھی نہیں لگوایا۔'' (سوانح قاسمی ج ۱ از مناظر احسن گیلانیؒ)

یوں سینۂ گیتی پر روشن، اسلاف کا یہ کردار رہے
آنکھوں میں رہیں انوار حرم، سینہ میں دل بیدار رہے

نکاح اور اولاد

حضرت نانوتویؒ مسلمانوں کی خستہ حالی اور انگریزوں کی ریشہ دوانیوں کی وجہ سے بہت مغموم رہتے تھے، ساتھ ساتھ علمی مصروفیات بہت تھیں لہذا دنیا سے بیزاری اور حرص و ہوا سے دوری آپؒ کی فطرت سلیمہ میں تھی۔ یہ وہ اسباب تھے کہ آپؒ کا ذہن حصول معاش اور نکاح کی طرف گیا ہی نہیں تھا۔ ایک مرتبہ حضرت والا کے والد ماجد نے آپؒ کے پیر و مرشد سے گزارش کی تو پیر و مرشد نے معاش کے بارے میں بغیر ظاہری اسباب کے خود کفیل ہونے کی دعا دی اور بشارت بھی سنا دی کہ بڑے بڑے صاحب ثروت ان کی جوتیوں میں اپنی کمائی ڈالیں گے اور نکاح کے حوالے سے حضرتؒ کو حکم ہوا تو والد صاحب کی خواہش پر پیر و مرشد کے حکم سے اور سب سے بڑھ کر سنت نبوی کی تعمیل کے پیش نظر آپؒ نے نکاح فرمایا۔ بیوی اگرچہ رئیس گھرانے کی تھی مگر وہ ایسی ہی نکلی جو زندگی کے ہر قدم پر آپؒ کی بہترین رفیق اور دینی خدمات کی انجام دہی میں آپؒ کی معاون بنی۔ یہ نکاح بہت ہی بابرکت ثابت ہوا۔ چنانچہ اولاد و احفاد بھی خوب ہوئی جو خوب پھیلی۔

صلبی اولاد (۱) حضرت مولانا محمد ہاشم صاحبؒ (۲) حضرت مولانا محمد میاں صاحبؒ (۳) حضرت مولانا حافظ محمد احمد صاحبؒ (۴) رفیعہؒ (۶) مریمؒ (۷) عائشہؒ اور اکرام النساء صاحبات و محترمات (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین) .....جاری.....

****

دارالعلوم رحیمیہ میں

حضرت مولانا نیاز احمد صاحب اعظمی مدظلہ العالی

شیخ الحدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ کا

پُر مغز علمی خطاب (قسط اول)

ترتیب: مولانا محمد عاقب صاحب رحیمی ندوی

حمد و ثنا کے بعد:

میری بڑی مدت سے خواہش تھی کہ میں دارالعلوم رحیمیہ بانڈی پورہ کی زیارت کروں، کیونکہ اس ادارے کی شہرت ہندوستان کے ہر مدرسہ میں ہے۔ اور کشمیر کا سب سے بڑا ادارہ ہے نیز میں نے ''المغنی'' میں اس ادارہ اور اس کے ناظم صاحب کے متعلق پڑھا اور شیخ الحدیث مفتی نذیر احمد صاحب کی تقریر بھی موبائل پر سنی اور اس کو من و عن سنا سکتا ہوں، میں نے ناظم صاحب سے مشورہ کیا کہ درس ہوگا یا عمومی بات، انہوں نے کہا کتاب سامنے رہے گی، کتاب کے درس کے ساتھ ساتھ عمومی بات ہوگی۔

بخاری کے ایک راوی ابراہیم ابن یزید ابن شریک تیمیؒ یہ بہت بڑے اللہ والے اور فقیہ اور بڑے محدث ہیں، ان کے ایک معاصر، جو فن حدیث اور فقہ میں ممتاز ہیں جن کا نام ابراہیم ابن یزید ابن قیس نخعیؒ۔ آپ لوگوں نے ترمذی میں پڑھا ہوگا کہ ایک صاحب نے فرمایا کہ ابراہیم تیمی نے حدیث سنائی اور ابراہیم نخعی موجود تھے اور سننے والے نے کہا کہ آپ کو غلط فہمی ہوئی ہے کہ ابراہیم تیمی بہت ادب و احترام والے تھے اور ابراہیم نخعی کی موجودگی میں وہ حدیث نہیں سنا سکتے ہیں۔ آپ لوگوں نے اصول

****

حدیث میں پڑھا ہوگا کہ محدثین کہتے ہیں کہ شہر میں اگر آپ سے بڑا کوئی محدث موجود ہوتو آپ حدیث بیان نہ کریں بلکہ طلبہ کو مشورہ دیجئے کہ ان سے حدیث سنیں۔

ابراہیم ابن یزید ابن شریک تیمیؒ بخاری میں ان کا ایک جملہ نقل کیا گیا ہے جو بہت ہی مفید اور معنی دار ہے ’’کہ جب بھی میں دین کی بات خطاب کرتا ہوں تو میں سوچتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ میرا عمل، کردار میری تقریر و مضمون کو جھٹلانے والا ہو‘‘

آدمی جب بات کرتا ہے اور اس پر یقین بھی ہوتا ہے سب سے پہلے وہ خود عمل کرتا ہے۔ جیسے کہ آدمی کہے کہ مچھلی کھانے کے بعد دودھ پینے سے بیماری لاحق ہوتی ہے پھر وہ اس پر خود عمل نہ کرے، تو دیکھنے والا کہے گا یہ جھوٹ بولتا ہے کیونکہ اس کو اپنی بات پر خود یقین نہیں ہے۔ اس بات کو طلبہ کو سمجھانے کے لئے اشعث بخیل کے چند واقعات سنائے۔ ابراہیم تیمی بڑے زاہد اور محدث ہونے کے باوجود کہتے تھے کہ میں تقریر کرنے سے ڈرتا ہوں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ کوئی کہے آپ کو اپنی تقریر کے مضمون پر خود یقین نہیں ہے۔

اب آپ سوچتے ہوں گے اتنا تواضع اختیار کرنے والا ایک عام آدمی ہوگا، میرے نزدیک تمام علماء کی تاریخ میں ابراہیم تیمی کے ایثار قربانی اور اپنے معاصر کے لئے اپنی زندگی کی قربانی کی کوئی مثال نہیں ملتی ہے۔ آج کے ماحول کے اعتبار سے ہم سمجھ لیں کہ ابراہیم تیمی ایک بزرگ تھے یعنی سیاسی معاملات میں زبان نہیں کھولتے تھے وہ سیدھے سادھے بزرگ تھے، اس کے مقابلے میں ابراہیم ابن یزید ابن قیس نخعیؒ جو بہت بڑے محدث ہیں ان کے گھرانے میں بہت سارے محدثین پیدا ہوئے ہیں۔ حضرت علقمہ ان کے نانا کے بھائی ہیں اسود ابن یزید ان کے ماموں لگتے تھے عبدالرحمٰن

****

ابن یزید ان کے چھوٹے ماموں لگتے تھے اور عبدالرحمٰن ابن اسود ان کے ماموں زاد بھائی ہیں یہ سب کے سب بہت بڑے محدث ہیں بلکہ بعض لوگوں نے لکھا ہے کہ انهم اهل ابيات الجنة، انهم حجوا و اعتمروا بين خمسين حج و عمرة۔ انہوں نے پچاس حج وعمرہ کئے، یہ بہت زیادہ محدثین کا گھرانہ تھا یہ ملیکۃ کے فرزند ارجمند تھے۔ حضرت ابراہیم نخعی کا انتقال ۹۶ھ میں ہوا۔ لیکن ان کے جنازہ میں صرف ۷ آدمی شریک تھے۔ کیونکہ اس زمانہ میں حالات سازگار نہیں تھے۔ ترمذی کے کتاب الجنائز میں ایک حدیث آپ لوگوں نے سنی ہوگی کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ کسی کے انتقال کے وقت کسی کو سہولت میں دیکھ کر مجھے پہلے بہت رشک آتا تھا لیکن جب اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو انتقال سے پہلے تکلیف میں دیکھا تو میں نے رشک کرنا بند کر دیا۔ یہاں ایک بات عرض کر دوں کہ محدثین نے دونوں طرح کی حدیثوں کو سامنے رکھ کر فیصلہ کیا کہ سچا پکا مومن موت سے پہلے بیماری کی تکلیف میں مبتلا کیا جاتا ہے ترقی درجات کے لئے، لیکن جب جان نکلتی ہے تو نہایت سہولت سے نکلتی ہے یہ دونوں طرح کی باتوں کا جمع ہے۔

یہ بات مشہور ہے جو آپ نے بھی سنی ہوگی کہ کسی کے جنازہ میں بہت بڑا مجمع ہے تو مجمع کی کثرت اور اتنے لوگوں کی شرکت گویا شہادت ہے۔ زبان خلق کو نقارۂ خدا سمجھو، کہ بعض لوگ رشک کرتے ہیں کسی جنازہ میں بڑی بھیڑ دیکھ کر کہ کاش میں ہی صاحب جنازہ ہوتا لیکن جب سے میں نے ابراہیم نخعی کے بارے میں پڑھا ہے کہ ان کے جنازہ میں صرف ۷ لوگ شریک رہے، میرا سمجھنا ہے کہ یہ فضیلت کی چیز ہے لیکن رشک کی چیز نہیں ہے۔ اگرچہ بعض خوبیاں ہوتی ہیں ان خوبیوں کے علاوہ کوئی دوسری

****

چیز ہوتی ہے جیسے مثال کے طور پر یہ بات کتابوں میں موجود ہے کہ اگر کسی کا انتقال رمضان میں ہوتو تا قیامت عذاب قبر سے محفوظ ہوگا، جمعہ کے دن اگر انتقال ہوتا ہے یہ فضیلت ہے۔ حضرت مفتی شفیع صاحب نے کہیں لکھا ہے۔ رمضان میں وفات کی فضیلت کی وجہ سے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ میں تمنا کرتا کہ رمضان میں میرا انتقال ہوتا لیکن سوچتا ہوں کہ رمضان میں انتقال ہوگا میرے لئے تو اچھا ہوگا لیکن میرے متعلقین کے معمولات میں فرق آئے گا۔ تو افسوس یہ ہے کہ میں تمنا نہیں کر سکا، اس لئے اللہ کے بنائے ہوئے نظام کے مطابق حضرت مفتی محمد شفیع صاحبؒ کا انتقال شوال میں ہوا۔

تو میں عرض یہ کرنا چاہ رہا ہوں کہ جنازہ میں مجمع کا زیادہ ہونا یہ فضیلت کی چیز ہے لیکن ابراہیم نخعی جیسے جلیل القدر کہ کتب حدیث کے ایک دو صفحات خالی ہو ورنہ اکثر جگہ ابراہیم نخعی کا نام آتا ہے لیکن جنازہ میں صرف سات آدمی شریک رہے۔

اور ابراہیم تیمی جن کا میں نے ذکر کیا ۹۲ھ میں ان کو شہید کر دیا گیا۔ اس وقت ان کی عمر تقریباً چالیس ہوگی جبکہ انہوں نے (ابراہیم نخعی) ۵۰ سال عمر پائی ہوگی۔

ابراہیم نخعی حکومت کی نگاہ میں معتوب تھے پسندیدہ نہیں تھے، تو حکومت نے فیصلہ کر دیا کہ ابراہیم نخعی کو گرفتار کر کے پھانسی دی جائے۔ اس زمانہ میں نام اور ولدیت سے لوگوں کو پہچانا جاتا تھا فوٹو وغیرہ نہیں ہوتے تھے۔ اتفاق سے یہ دونوں حضرات (معاصر) ایک ہی جگہ کے رہنے والے ہیں۔ ابراہیم نخعی کو معلوم تھا میں معتوب ہوں کسی بھی وقت اٹھایا جا سکتا ہوں۔ اس وجہ سے وہ احتیاط کی زندگی گزارتے تھے اور ابراہیم تیمی پُر اعتماد تھے۔ لیکن پولیس ان کے یہاں پہونچی اور نام وغیرہ پوچھ کر ان کو گرفتار کیا اور حکومت نے ان کو سزا دی۔ کسی نے معلوم کیا کہ آپ کو معلوم تھا کہ آپ

****

مطلوب نہیں تھے کہ آپ کی گرفتاری مقصود نہیں تھی پھر آپ نے کیوں نہیں وضاحت کی۔ تو انہوں نے کہا کہ مجھ سے بڑا عالم جس کا مجھ سے زیادہ فیض پہونچ رہا ہے تو اس کو گرفتار کروانے کے لئے اور اپنی ذات کو بچانے کے لئے ایک غیر ضروری تفسیر جو مجھ سے نہیں مانگی گئی میں کیوں ان کو بتاتا، ایسی مثال کہیں نہیں ملتی ہے۔ کہ کسی عالم نے اپنی جان دی کسی ہم عصر عالم کی خاطر۔ عام طور ہم لوگوں میں اس کے برعکس غیبت، حسد کا ماحول ہوتا ہے اور ایک دوسرے کو برداشت نہ کرنے کا ماحول ہوتا ہے۔ اس کے برخلاف ابراہیم تیمی اخلاق کے اعلیٰ مقام پر تھے تو اس کے باوجود فرماتے ہیں کہ مجھے بہت ڈر لگتا ہے دین کی بات کہنے میں کہ کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ کہوں جو کر نہ پاؤں۔

عزیز بچو!

ان جیسے بزرگوں کی بات پر عمل کرتے ہوئے ہم بھی یہ سمجھتے ہیں کہ دین کی بات کہتے ہوئے بہت ہی احتیاط کرنی چاہیے اور ڈرنا چاہیے۔ کتنے بزرگوں کے بارے میں آپ لوگوں نے پڑھا ہوگا کہ بچوں کے سرپرستوں نے کہا کہ میرے فرزند کو نصیحت کیجئے۔ انہوں نے کہا آج نہیں کروں گا۔ اس لئے وہ کام میں خود کرتا ہوں، میں وہ چھوڑ دوں گا، اس کے بعد میں نصیحت کرتا ہوں۔ اس کے بعد اس کو فائدہ پہونچے گا۔

بخاری شریف نہایت مخدوم کتاب ہے بایں معنی کہ اس پر ہر نہج سے کام ہوا۔ امام بخاریؒ نے تقریباً ایک ہزار اسی اساتذہ سے پڑھ کر بخاری شریف لکھی، لیکن امام بخاریؒ نے جن مشائخ اور اساتذہ سے روایت لی ہے، بعض لوگ کہتے ہیں دو سو نواسی، بعض لوگ کہتے ہیں دو سو چھیانوے اور بعض لوگ کہتے ہیں تین سو اکیس ہیں۔ شاید

****

یہی بات زیادہ صحیح ہے۔ اس لئے کہ مجھے معلوم ہے کہ مشائخ امام بخاریؒ میں فلاں فلاں کا نام نہیں ہے لیکن وہ ہیں، بخاری میں ان کی روایت موجود ہے۔

بخاری شریف پر بہت کام ہوا ہے، آپ جانتے ہوں گے کہ امام بخاریؒ نے سب سے زیادہ روایات حضرت مسدّد سے لی ہیں۔ اور حضرت مسدّد کے بارے میں لوگ کہتے ہیں کہ امام بخاریؒ نے ان کا نام لیکر ان کی تعریف کی ہے۔ فرمایا مسدد کاسمہ مسدد۔ مسدد اپنے نام کی طرح صحیح روایت بیان کرنے والا ہے۔ مسدّد جن کا نام عبدالملک تھا ان سے امام بخاریؒ نے تین سو اکانوے روایات بخاری شریف میں بیان کی ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ ان کے نام میں برکت ہے۔ سلسلہ نسب (مسدد بن مسرھد بن مسربل بن مغربل بن مرعبل بن مطربل بن ارندل بن سرندل بن عرندل بن ماسک بن المستورد الاسدی) میں برکت ہے، کہ ان کے نام سے تعویذ بنانے پر بچھو کے ڈنک کے لئے فائدہ ہے، یا پھر بخار کے لئے فائدہ ہے۔

جیسے کہ آپ لوگوں نے سنا ہوگا ترمذی شریف میں ایک جگہ مدینہ کے فقہاء سبعہ کا تذکرہ آیا ہے وہاں پر بعض لوگ کہتے ہیں کہ مدینہ کے سات فقہاء کے نام لکھ کر تعویذ بنانے پر اگر تعویذ کو گیہوں میں رکھ دیا جائے تو گھن نہیں لگتا اور سر کا درد جاتا رہتا ہے۔ ایک بار فدوی نے گیہوں خریدا اور ان بزرگوں کا نام لکھ کر تعویذ بنایا اور گیہوں میں رکھا۔ لیکن گھن لگ گئی تو میں نے اس کی توجیہ یہ کی، میں نے یہ کہا کہ دعاؤں کے کلمات کی حیثیت کارتوس کی طرح ہے اور دعا کرنے والے کا عمل اور اس کی ذات کی حیثیت ایسی ہے جیسی بندوق کی ہے۔ کارتوس بدون بندوق بالکل موثر نہیں ہے اگر کوئی آدمی صرف کارتوس خرید لے بندوق نہ خریدے تو کوئی فائدہ نہ ہوگا، اس کے

****

لئے تو بندوق ضروری ہے۔ اس لئے دعا کے وہ کلمات جو بزرگوں سے منقول ہیں ان دعاؤں کے کلمات کو ادا کرنے اور مفید و موثر ہونے کے لئے ضروری ہے کہ اپنا عمل درست کرو۔ اپنے اندر بزرگی بڑھاؤ اور بزرگوں کے نقش قدم پر چلو، حلال کا اہتمام کرو اور حرام سے بچو۔ تب جا کر دعائیں موثر ہونگی۔

دوسرے نمبر پر بخاری شریف میں زیادہ روایتیں حضرت عبداللہ ابن یوسف تنیسی دمشقی شامی سے منقول ہیں ان سے تین سو چھیالیس روایتیں ہیں۔ بعض لوگ کہتے ہیں تین سو سینتالیس۔ اس لئے کہ ایک جگہ عبداللہ بغیر انتساب ہے، اس لئے بعض لوگ کہتے ہیں یہی ہیں، بعض کہتے ہیں دوسرے ہیں۔ یہ شامی ہیں یعنی ملک شام کے باشندے ہیں، دمشقی ہیں یعنی خاص دمشق کے رہنے والے ہیں تنیسی ہیں یعنی بعد میں مصر کے قریب تنیس میں آکر رہنے لگے۔

تیسرے نمبر پر ہے حضرت قتیبہ (قتیبة کے معنی ہیں ننھی منھی آنت والے یا آنت،) یہ ان کا لقب تھا اصل تو ان کا نام یحییٰ تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں علی تھا لیکن مشائخ الامام البخاری میں لکھا ہوا ہے کہ نہیں ان کا نام یحییٰ تھا، یحییٰ پر بات آئی کہ ایک یحییٰ ابن جعفر بھی ہیں بڑے محدث ہیں بخاری شریف میں ستر روایات ان سے منقول ہیں۔ امام بخاریؒ کی بڑی خواہش تھی کہ حضرت عبدالرزاق ابن ھمام صنعانی سے حدیث پڑھیں۔ (عبدالرزاق ابن ھمام صنعانی) جو دوسو گیارہ ہجری میں دنیا سے چلے گئے ان سے امام بخاری بہت خواہش وتمنا رکھتے تھے کہ میں ان سے پڑھوں تو ممکن ہے کہ جانے کا پروگرام بنایا ہو تو پھر یحییٰ ابن جعفر نے ان سے کہا: کہاں جا رہے ہو؟ کہا کہ میں امام عبدالرزاق ابن ھمام صنعانی جو امام ابوحنیفہؒ کے تلمیذ ہیں ان سے پڑھنے

****

کے لئے جارہا ہوں، تو انہوں نے کہا: ان کا تو انتقال ہوگیا۔ تو امام بخاریؒ نے اس سفر کا ارادہ ملتوی کردیا۔ کچھ دنوں کے بعد یہ خبر آئی کہ عبدالرزاق ابن ھمام صنعانی کا انتقال ہوگیا ہے۔ اس وجہ سے بعض لوگ کہتے ہیں یحیٰی ابن جعفر نے ان کو جان بوجھ کر غلط خبر دی تھی تاکہ عبدالرزاق سے وہ نہ پڑھیں، ان کی روایت مجھ سے پڑھیں۔ لیکن یہ غلط بات ہے یحیٰی ابن جعفرؒ کو خود غلط اطلاع تھی کہ ان کا انتقال ہوگیا ورنہ ایسا نہیں تھا۔

بہرحال میں یہ عرض کرنا چاہ رہا تھا کہ تیسرے نمبر پر حضرت قتیبہ ہیں جن کا نام عبدالملک ہے جو قتیبہ ابن سعید ابن جمیل ابن طریف ابو رجاء البغلانی الثقفی ہیں محدث خراسان، جن سے بخاری شریف میں تین سو چودہ روایات ہیں، نمبر چار پر مشہور عالم علی ابن عبداللہ ابن جعفر ابن نجیح المدینی یہ بھی بہت بڑے محدث ہیں۔ امام بخاری کہتے ہیں کہ کسی کے سامنے اتنا مجھے احساس کمتری نہیں ہوا جتنا کہ علی ابن عبداللہ کے سامنے ہوا۔ یہ بات آئی تو میں عرض کردوں کہ بہت ساری چیزیں ایک آدمی کے بارے میں مشہور ہوجاتی ہیں لیکن حقیقت میں وہ کئی کے بارے میں ہوتی ہیں، آپ لوگوں نے ترمذی شریف کے کتاب الحج میں ایک روایت پڑھی ہوگی کہ حضرت عمر ابن الخطابؓ ایک بار حجر اسود کے پاس پہنچے اور کہنے لگے مجھے معلوم ہے کہ آپ ایک پتھر ہو، نقصان نہیں پہنچا سکتے، فائدہ بھی نہیں پہنچا سکتے۔ اگر میں نے اپنے آقا صلی اللہ علیہ وسلم کو چومتے ہوئے تم کو نہ دیکھا ہوتا تو میں ہرگز نہ چومتا۔ یہ بات حضرت عمرؓ کے بارے میں مشہور ہے لیکن اس طرح کا قول حضرت ابوبکر صدیقؓ کا بھی ہے۔ انہوں نے بھی کہا تھا نحن نعرف انك حجر ۔ بلکہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کا قول بھی منقول ہے کہ مجھے معلوم ہے آپ پتھر ہو، فائدہ نہیں پہونچا سکتے، نقصان نہیں پہونچا

****

سکتے۔ ولو لا امرنی ربی اگر مجھے میرے پالنہار نے حکم نہ دیا ہوتا تو میں تم کو نہیں چھوتا۔ آپ لوگوں نے حجر اسود کے بارے میں سنا ہوگا، ترمذی شریف کی روایت ہے کہ حجر اسود جب جنت سے آیا تھا تو دودھ سے زیادہ سفید تھا لیکن انسانوں کے گناہوں نے اس کو کالا کردیا۔ اب یہ کہ گناہوں سے کیا مراد ہے۔ بے احتیاطی بھی ہوسکتی ہے۔ اور وہ گناہ بھی ہوسکتا ہے جس کو ہم گناہ سمجھتے ہیں۔ مستشرقین اس حدیث پر اعتراض کرتے ہیں۔ وہ کہتے ہیں کہ تاریخ میں کہیں نہیں لکھا کہ حجر اسود سفید تھا۔ یہ حدیث تو تاریخ کے خلاف ہے۔

اس کا جواب یہ ہے کہ تاریخ کی تاریخ بتائیے متی ولد التاریخ۔ جب تاریخ پیدا نہیں ہوئی تھی تب وہ سفید تھا۔ اس لئے تاریخ میں اس کا ذکر نہیں ہے۔ بعض لوگ کہتے ہیں پھر حجر اسود نام کیوں پڑا؟ کیونکہ بعد میں کالا ہونے کی وجہ سے اس کا نام حجر اسود پڑا۔ جب سفید تھا اس وقت اس کا نام حجر ابیض تھا۔ بعض لوگ کہتے ہیں جب گناہگاروں کے گناہوں نے اس کو کالا کردیا تو نیک لوگوں کی نیکیوں نے اس کو سفید کیوں نہیں کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ آپ سفید رنگ کا کرتا پہن لیجئے، کوئی گندے ہاتھ سے چھوئے تو خراب ہوجائے گا۔ اگر کوئی اس کو صاف ہاتھ لگائے وہ سفید ہوجائے گا (نہیں ہوگا)۔ لیکن اس کا تحقیقی جواب یہ ہے کہ حجر اسود جو ہے آٹھ چھوٹے چھوٹے ٹکڑے ہیں جو ایک بڑے پتھر میں نصب کئے گئے ہے جب وہ چھوٹے چھوٹے آٹھ ٹکڑے جو کھجور کی گٹھلی کے بقدر ہیں جب وہ بڑے پتھر میں جڑے جارہے تھے جڑنے کے وقت جو مشاہدین موجود تھے ان کا بیان تاریخ میں درج ہے کہ ہم نے صرف اوپر کا کالا دیکھا، اندر کا سفید ہے۔ نچلا حصہ سفید ہے۔

****

اس سلسلے میں بات آئی تو میں عرض کردوں۔آپ لوگوں نے اپنے اساتذہ سے سنا ہوگا ترمذی اور بخاری کے سلسلہ میں، امام بخاری فرماتے ہیں کہ مجھے ترمذی سے جتنا فائدہ پہنچا، اتنا فائدہ ان کو مجھ سے نہیں پہنچا، عام طور سے اس کا مطلب غلط سمجھا گیا، مطلب یہ سمجھا گیا کہ امام بخاری کہنا چاہتے ہیں کہ میں نے امام ترمذی کو بیس حدیثیں پڑھائی اور انہوں نے مجھے چالیس حدیثیں پڑھائیں۔ یہ مطلب نہیں ہے قطعاً۔ یقیناً مجھے معلوم ہے کہ امام بخاری نے ایک دو روایت امام ترمذی سے پڑھی ہیں، امام ترمذی نے اس کو اپنی کتاب میں بیان کیا ہے۔وقد سمع منی هذا الحديث محمد بن اسماعيل البخاری، لیکن مطلب یہ نہیں ہے، مطلب یہ ہے کہ امام بخاری فرمانا چاہتے ہیں کہ ترمذی ذہین تھے باصلاحیت تھے وہ کہیں بھی پڑھ کے امام ترمذی بن جاتے، لیکن انہوں نے مجھ سے پڑھا تو وہ قابل باصلاحیت ذہین تھے تو ان کو پڑھانے کے لئے مجھے محنت کرنی پڑی۔اس کے نتیجے میں مجھ کو زیادہ فائدہ پہنچا۔ طلبہ جب ذہین ہوتے ہیں تو استاد کو فائدہ پہنچتا ہے۔ یہ چیز جو امام بخاری نے امام ترمذی کے متعلق کہی ہے۔بعینہ یہی بات امام بخاری کے تعلق سے علی ابن عبد الله ابن جعفر ابن نجيح المدینیؒ نے کہی ہے کہ بخاری کو مجھ سے جتنا فائدہ پہنچا اس سے زیادہ مجھے امام بخاری سے فائدہ پہنچا۔ اور علی ابن عبد اللہ کے متعلق یہ جملہ اسی طرح ان کے استاذ سفیان ابن عیینہ (جونیر) نے بھی کہا: ایک چیز آپ سے کہہ دوں کہ امام بخاری جب گیارہ سال کے تھے، اپنے علاقہ کے ایک محدث امام داخلی کے یہاں پہونچے تو امام داخلی ایک حدیث بیان کرنا چاہ رہے تھے حدیث سے پہلے حدیث کی سند بیان کی۔وبه قال حدثنی سفيان قال حدثنی ابو الزبير قال حدثنی ابراهيم امام بخاری نے کہا اخطات یا استاذی۔ (.....جاری.....)

****

شمع روشن بجھ گئی، بزمِ سخن ماتم میں ہے

حضرت الاستاذ مولانا عبدالرشید صاحب ندویؒ کی کچھ یادیں، کچھ باتیں

از: محمد زبیر ابن اقبال آمودی
مدرس: جامعہ علوم القرآن، جمبوسر

الْأَرْضُ تَحْيَا إِذَا مَا عَاشَ عَالِمُهَا مَتَى يَمُتْ عَالِمٌ مِنْهَا يَمُتْ طَرَفُ
كَالْأَرْضِ تَحْيَا إِذَا مَا الْغَيْثُ حَلَّ بِهِ وَإِنْ أَبَى عَادَ فِي أَكْنَافِهَا التَّلَفُ

عالمِ آب وگل میں موت ارزاں ہوچکی ہے دنیا پر خزاں کا بڑا شدید حملہ ہے، موت کی ایسی آندھی چلی ہے کہ علم وعمل کے چراغ بجھے چلے جارہے ہیں، ہر صبح اپنے جلو میں خبر مسرت کے بجائے پیامِ الم لے کر آرہی ہے، ہر شب اپنے دامن میں مژدۂ سکون وعافیت کے بجائے رنج وغم کی سوغات لئے نمودار ہوتی ہے، ہر صبح آفتاب کی کرنیں کسی گوہر شب چراغ کے گل ہونے اور بجھنے کی خبر دیتی ہیں، اور ہر رات کا اندھیرا عالم دنیا سے کسی مسافر کے بچھڑ جانے کی خبر دیتا ہے، گردش زمانہ ہر قدم پر ہمیں یہ احساس دلاتی ہے کہ چمنستان ارضی کی ہر بہار کو خزاں نصیب ہے، اور اس کی ہر شادابی تغیر پذیر، چند سالوں میں نہ جانے کتنے آسمان علم وعمل اور آفتاب وکمال غروب ہوگئے، جن کی ضیا پاشیوں اور فیض سے ایک عالم منور تھا، علوم ومعرفت کے کتنے ہی ایسے چشمے خشک ہوگئے جن سے ایک دنیا سیراب ہو رہی تھی، بہ کثرت ایسی ممتاز شخصیات رہروان آخرت میں شامل ہوگئیں، جنہوں نے مختلف میدانوں میں کارہائے نمایاں انجام دیے، کسی نے مسند درس وتدریس پر جلوہ افروز ہوکر قال اللہ اور قال

****

الرسول کا نغمہ سنایا، تو کسی نے اصلاح وتزکیہ کی قندیل فروزاں کر کے ہزاروں گم گشتان راہ کو منزل حقیقی سے روشناس کرایا۔

ان ہی مسافران آخرت میں شامل ہونے والی ممتاز شخصیات میں سے ایک شخصیت جامعہ علوم القرآن جمبوسر کے استاذ تفسیر وحدیث، معتدل مزاج سے آراستہ، دینی، اخلاقی، ادبی محاسن کے مصداق ومثال، طبعی ظرافت سے مزین، ہمدردی قوم و ملت سے سرشار، خطیب بے مثال، ادیب وانشاء پرداز متعدد تنظیموں کے ذمہ دار محسن و مربی ''حضرت الاستاذ مولانا عبدالرشید صاحب ندویؒ'' رحمۃ اللہ علیہ ہیں۔

تری زمیں سے اٹھیں گے تو آسماں ہوں گے ہم ایسے لوگ زمانے میں پھر کہاں ہوں گے
چلے گئے تو پکارے گی ہر صدا ہم کو نہ جانے کتنی زبانوں سے ہم بیاں ہوں گے

علامہ ابن کثیرؒ نے ''البدایہ والنہایہ'' میں امام احمد ابن حنبلؒ کے حالات کے تحت دارقطنی کے حوالہ سے تحریر فرمایا ہے کہ امام احمد ابن حنبلؒ اپنی حیات میں اپنے مخالفین سے فرماتے تھے کہ "قولوا لأهل البدع بيننا وبينكم الجنائز" (البداية والنهاية: ١٤/ ١٣٨) ہمارے اور تمہارے درمیان فیصلہ کن امر جنازہ میں لوگوں کی شرکت ہوگی، یعنی میری حقانیت اور عنداللہ مقبولیت کی شاہد میرے جنازہ میں کثرت سے لوگوں کی شرکت ہوگی، چنانچہ کچھ اسی طرح ہوا، جب امام احمد ابن حنبلؒ کا انتقال ہوا تو بغداد میں لاکھوں افراد جنازہ میں شریک ہوئے اور اس جنازہ کی شان کو دیکھ کر کئی غیر مسلموں نے اسلام قبول کیا۔

چنانچہ حضرت الاستاذؒ کا جنازہ بھی کچھ اسی شان کا تھا، بعد نماز عشاء صلوۃ

****

جنازہ وتدفین ہونے کے باوجود تلامذہ، احباب اور متعلقین کے ایک جم غفیر نے نماز جنازہ وتدفین میں شرکت فرمائی، تل دھرنے کی جگہ نہ تھی، جو حضرت الاستاذ کی عنداللہ مقبولیت کی نشاندہی کر رہی تھی، گویا کہ اللہ تعالیٰ کے محبوب ہونے کے سبب اللہ تعالیٰ نے عوام وخواص ہر حلقہ کے قلوب میں قدر مشترک محبوبیت وگرویدگی ڈال دی تھی، متعدد آنکھیں اشک بار اور کئی دل حزن وملال کے سمندر میں غوطہ زن تھے اور ہر شخص بزبان حال گویا تھا:

ایک سورج تھا کہ تاروں کے گھرانے سے اٹھا
آنکھ حیراں ہے کیا شخص زمانہ سے اٹھا

رہنے کو سدا دہر میں آتا نہیں کوئی
تم جیسے گئے ایسے بھی جاتا نہیں کوئی

حضرت الاستاذؒ بڑے صاف ستھرے، مہذب اور نستعلیق مزاج کے حامل تھے، ہر چیز کو مرتب اور سلیقہ سے رکھنا آپ کا مزاج تھا، آپ کی درس گاہ میں ہر چیز کیلئے ایک خاص جگہ مقرر تھی، ان چیزوں کو انہی جگہوں پر رکھنا لازم تھا، کتابیں الماری پر ہوں یا ٹپائی پر فن کی رعایت کے ساتھ خوب مرتب رکھی ہوئی۔ آپ فن کی رعایت کے ساتھ کتب کو ترتیب سے رکھتے تھے، اسی طرح قلم، کاپی وغیرہ مقررہ جگہ پر خاص انداز میں مرتب رکھی ہوئی ہوتی، درس گاہ کی صفائی پر بھی خاص توجہ دیتے، سورہ الغاشیہ میں اللہ عزوجل تعالیٰ نے جنت کے اوصاف بیان کرتے ہوئے جنت کی ایک خاص صفت چیزوں کا مرتب، سلیقہ سے مخصوص انداز میں ہونے کو بھی بیان فرمایا۔ اس آیت کریمہ

****

کے تحت حضرت مولانا مفتی شفیع صاحبؒ: معارف القرآن میں تحریر فرماتے ہیں کہ

قرآن کریم میں آداب معاشرت کے ایک اہم باب کی تلقین فرمائی گئی ہے کہ پانی پینے کے برتن پانی کے قریب مقررہ جگہ پر رہنے چاہئیں، استعمالی چیزیں جو سب گھر والوں کے کام میں آتی ہیں، جیسے لوٹے، گلاس، تولیہ وغیرہ ان کی جگہ مقرر رہنی چاہیے اور استعمال کے بعد اس کو وہیں رکھنا چاہیے تاکہ دوسروں کو تکلیف نہ پہنچے۔ (معارف القرآن: ۹۲/۷) جس سے معلوم ہوتا ہے کہ جنت اور جنتیوں کی صفت ہر چیز کو مقرر جگہ پر سلیقہ سے رکھنا ہے، چنانچہ حضرت الاستاذ میں یہ وصف کامل درجہ میں نظر آتا تھا، چال میں عالمانہ شان، نشست و برخاست میں امتیاز، گفتگو میں متوازن دھیما پن، قلم، کاپی، ٹوپی غرض ہر چیز سلیقہ سے مرتب انداز میں رکھتے تھے۔

طرز تدریس

راقم السطور نے جامعہ علوم القرآن، جمبوسر میں درجہ عربی ششم (مشکوۃ) میں داخلہ لیا، شام میں آخری گھنٹہ میں جلالین شریف کا درس آپ سے متعلق تھا، اسی گھنٹہ میں آپ کو پہلی مرتبہ دیکھا، کتاب کا افتتاح ہونے کے سبب کچھ روز تک مبادیات تفسیر پر آپ نے دلنشین کلام فرمایا، بعد ازاں جلالین شریف کا درس شروع ہوا، آپ کا انداز درس متاثر کن، دل فریب، دلکش اور جاذب تھا، جو یقیناً قابل ذکر ہے، درج ذیل سطور میں اسی کی منظر کشی کرنے کی سعی کر رہا ہوں۔

حضرت الاستاذ کا انداز تدریس منفرد اور البیلا تھا، مولانا کے درس کی ایک ممتاز خصوصیت آپ کا طرز تکلم اور انداز درس تھا، جب سلسلہ کلام شروع ہوتا تو تمام

طلبہ گوش بر آواز ہو جاتے، کلام میں ایسی سحر کاری، حلاوت اور چاشنی ہوتی کہ ہر سننے والا آپ کا گرویدہ ہو جاتا، متعلقہ درس کا بغور متعدد مرتبہ مطالعہ کرنے کے سبب متن کتاب محفوظ ذہن و نوک زباں ہوتا جس کے سبب بہت کم مرتبہ کتاب کی عبارت کی طرف نظر کرتے، اکثر اسباق زبانی ہی پڑھاتے تھے، آپ متن کتاب کا لفظی یا محاوری ترجمہ کرنے کے بجائے متن کی ترجمانی کرنے کو پسند کرتے تھے۔ آپ کے انداز ترجمہ سے معلوم ہوتا تھا کہ ''مترجم منہ'' اور ''مترجم الیہ'' دونوں زبانوں پر آپ کو دسترس اور قدرت حاصل ہے، آپ کے ہاں صاف، بلند آواز سے صرفی، نحوی قواعد بلکہ وقف و وصل کی رعایت کے ساتھ عبارت خوانی لازمی امر تھا، ان میں سے کسی امر میں غلطی ہو جاتی تو آپ اصلاح و تنبیہ فرماتے تھے، آپ کا درس دریا بہ کوزہ کا مصداق ہوتا تھا، متعدد کتب فن و شروحات کا ماحصل جامع و مختصر الفاظ میں اس طرح پیش فرماتے کہ اشکال و تشنگی باقی نہ رہتی، درس جلالین شریف میں حل کتاب کے ساتھ آیت کریمہ کی متعدد تفاسیر کی طرف اشارہ کر کے راجح تفسیر کی نشاندہی فرماتے، بعض مقامات پر آیت کریمہ کی بلاغت و اعجاز بیانی کی طرف اشارہ فرماتے، قرآن کریم کے اردو تراجم میں کسی مترجم نے ممتاز ترجمہ کیا ہو تو اس کی نشاندہی بھی فرماتے، مسائل عصر حاضر پر آیت کریمہ کا انطباق فرمانے کے ساتھ جدید فتن و مسائل کا حل بھی آیت کریمہ کی روشنی میں بیان فرماتے۔

حضرت الاستاذ کا درس ترمذی شریف بھی انوکھا ہوتا تھا، ترجمۃ الباب کے تحت تفصیلی کلام فرماتے، ہر باب کے تحت باب کے متعلق مسائل و ضروری احکام کو بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس باب کے متعلق حجۃ اللہ البالغہ کے حوالہ سے مقاصد

شریعت بھی بیان فرماتے، اسی طرح اصول شریعت ومزاج شریعت پر دل نشیں تقریر فرماتے، معاشرتی آداب پر بھی تفصیلی گفتگو فرماتے، خاص طور پر احیاء العلوم اور حضرت تھانویؒ کے اصول کے حوالہ سے آداب معاشرت پر تفصیلی گفتگو فرماتے، باب کے متعلق عربی یا اردو میں کوئی رسالہ ہوتا تو اس کی نشاندہی فرماتے ساتھ ساتھ اس کے مؤلف کا تعارف بھی پیش کرتے۔

ائمہ اربعہ کے مابین مختلف فیہ مسائل پر دلیل، جواب وجواب الجواب وغیرہ بیان نہ کرتے ہوئے، تحقیق مناط اور بنیاد اختلاف بیان فرماتے، انداز کچھ اس طرح ہوتا تھا کہ اس مسئلہ کے متعلق ۲/۲ طرح کی روایات ہیں، جن میں سے احناف کا عمل اس حدیث پر ہے، اور اس کی وجہ ترجیح یہ ہے، اسی طرح مالکیہ، شافعیہ یا حنبلی حضرات کا عمل اس حدیث پر ہے اور اس کی وجوہات بیان فرماتے، کتاب الدعوات میں ادعیہ کی حکمتیں تفصیل سے بیان کرنے کے ساتھ ساتھ اس مخصوص مقام پر اس دعا کا کیوں حکم دیا گیا، اس کی حکمت بھی بیان فرماتے۔ مشاجرات صحابہ کے متعلق اس طرح تفصیلی گفتگو فرماتے کہ ذہن میں کوئی پیچیدگی باقی نہ رہتی۔ کتاب المناقب کے تحت سوانح اکابر اور آپ بیتی کی اہمیت بیان فرما کر اس کے مطالعہ پر زور دیتے تھے، خصوصاً حضرت شیخ زکریاؒ کی آپ بیتی کا مطالعہ کرنے کی خوب تاکید فرماتے۔

درسگاہ میں بے ادب بیٹھنا آپ کے نزدیک بے حد ناپسندیدہ تھا، چنانچہ اگر کوئی طالب علم چہار زانو بیٹھا ہوا نظر آتا تو سخت ناراضی کا اظہار فرماتے اور سخت الفاظ میں تنبیہ فرماتے، حتی کہ اگر آپ گزر رہے ہوں اور کسی طالب علم کو کسی بھی درس گاہ میں چہار زانو بیٹھا دیکھتے تو اس کو بھی تنبیہ فرماتے تھے۔ (.....جاری.....)

****

اخبارِ دارالعلوم

مولانا فیاض احمد صاحب
استاد دارالعلوم رحیمیہ

ربیع الثانی میں شعبہ عربی، تکمیلات، حفظ وناظرہ اور تجوید کے درجات کے امتحانات مکمل ہونے کے بعد الحمد للہ سارے درجات میں پھر سے پڑھائی شروع ہوگئی، سردی کے موسم نے نومبر میں دستک دی جس کے لئے مناسب انتظامات بھی کئے گئے تاکہ شعبان المعظم یعنی مارچ کے مہینے میں سالانہ امتحان عمدگی کے ساتھ منعقد کرائے جاسکیں۔ اللہ تعالیٰ آسانی فرمائے۔

اس ماہ ناظم دارالعلوم رحیمیہ کے کئی اسفار ہوئے، دیوبند قصبہ میں مادر علمی دارالعلوم دیوبند کے کل ہند رابطہ مدارس کے اجلاس میں شرکت کے علاوہ کرناٹک میں بنگلور اور ٹمکور میں تحفظ ختم نبوت کے پروگراموں میں شرکت ہوئی، ریاست کیرلا میں ٹریونڈرم کائم کولم اور کوچین کے علاقوں میں پہلے سے بنے ہوئے نظاموں میں شرکت کر کے بعافیت وطن واپسی ہوئی۔ اسی طرح ادارہ کے شیخ الحدیث وصدر مفتی بحیثیت ناظم عمومی ریاستی رابطہ مدارس مادر علمی دارالعلوم دیوبند میں کل ہند رابطہ مدارس کے اجلاس کے علاوہ اسلامک فقہ اکیڈمی کے سیمینار منعقدہ برہان پور اور مجلس تحقیقات علمیہ ندوۃ العلماء کے لکھنو میں منعقدہ سیمینار میں تشریف لے گئے۔

رابطہ مدارس اسلامیہ جموں وکشمیر کے اجلاس میں مدارس کے سالانہ امتحان کا نظام طے ہوا اور اس سے منسلک اداروں میں اس سال کے سالانہ امتحانات کو شعبان المعظم یعنی مارچ ۲۰۲۳ میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔

حکومت کی ہدایت کے مطابق اس سال سرکاری اور پرائیوٹ عصری تعلیمی

****

اداروں میں سالانہ امتحانات اکتوبر، نومبر کے بجائے مارچ میں منعقد ہونے کا اعلان کیا گیا اور دسمبر کے پہلے ہفتہ سے مرحلہ وار تین ماہ کی سرمائی تعطیلات کا اعلان کر دیا گیا اسی کے مطابق دارالعلوم رحیمیہ کے ماتحت چلنے والے عصری ادارے فیض عام سیکنڈری سکول اور طالبات کے ادارے مدرسۃ البنات میں تعطیلات کا اعلان کر دیا گیا۔

وفیات

مولانا فیاض احمد صاحب
استاد دارالعلوم رحیمیہ

۱۔ مشہور عالم دین محدث اور فقیہ حضرت اقدس مولانا مفتی محمد رفیع صاحب عثمانی جو اکابر مشائخ کی یادگار تھے اور صاحب تفسیر معارف القرآن، مفتی اعظم پاکستان حضرت مولانا مفتی محمد شفیع صاحب دیوبندی رحمۃ اللہ علیہ بانی وصدر دارالعلوم کراچی کے فرزند ارجمند تھے۔ عالم فانی سے دارالبقاء کی طرف انتقال فرما گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۲۔ حضرت فقیہ الامت مفتی محمود حسن گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے خلیفہ مجاز حضرت مولانا محمد علی صاحب منیار سورتی مقیم مدینہ منورہ کی ہمشیرہ کا اپنے وطن سورت میں انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس عطا فرمائے۔

۳۔ دارالعلوم رحیمیہ کے قدیم ترین خادم ومحبّ جناب حاجی محمد شعبان پرہ صاحب کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ چالیس سال قبل جس زمانے میں دارالعلوم رحیمیہ قائم ہوا موصوف مدرسہ کے لئے گھر گھر اور دوکان دوکان جا کر تعاون کے لئے لوگوں کو ترغیب دیتے تھے بلکہ خود وصول کر کے مدرسہ میں پہنچاتے تھے۔ زندگی بھر جامع مسجد شریف قدیم میں بغیر کسی اجرت کے اذان دینے کی سعادت حاصل کرتے تھے۔

****

ناظم دارالعلوم رحیمیہ سے قلبی تعلق رکھتے تھے اور ان کے مشوروں اور نصائح کی قدر کرتے تھے۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے۔

۴۔ دارالعلوم رحیمیہ کے قدیم فیض یافتہ اور ابتدائے قیام سے تعلق رکھنے والے ساتھی محترم عبدالحمید آہنگر صاحب کے والد صاحب جناب غلام رسول آہنگر کا انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ ناظم دارالعلوم رحیمیہ نے مرکزی جامع مسجد شریف کے صحن میں منعقد جنازہ میں پیشوائی کی۔

۵۔ خانقاہ دارالعلوم رحیمیہ کے فیض یافتہ، ناظم دارالعلوم رحیمیہ کے محبّ صادق جناب غلام محمد خان صاحب قاضی پورہ انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ موصوف کا جنازہ اور تدفین زکورہ سرینگر میں اپنی قیام گاہ پر ہی ہوا۔ ان کے ولی اقرب جناب ڈاکٹر غلام رسول خان صاحب جو دعوت وتبلیغ کی مبارک محنت سے وابستہ ہیں نے نماز جنازہ پڑھائی۔ اللہ تعالیٰ جنت نصیب فرمائے۔

۶۔ دارالعلوم رحیمیہ کے سابق متعلم مولوی محمد عامر مداری کی دادی جان کا بھی انتقال ہوگیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ جنت الفردوس عطا فرمائے۔

۷۔ دارالعلوم رحیمیہ کے فاضل ومعاون ناظم مولانا محمد حمید اللہ صاحب کے رفیق درس مولانا مفتی مبارک احمد ریشی صاحب کے والد بھی دارالبقاء کی جانب کوچ کر گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

۸۔ دارالعلوم رحیمیہ کے استاذ حدیث مفتی عبدالکریم صاحب کی پھوپھی جوان کی نسبتی والدہ بھی تھیں اس دار فانی سے رحلت کر گئیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

ان تمام مرحومین نیز دیگر متعلقین وجمیع امت مسلمہ کے لئے
ایصال ثواب کرایا گیا۔ قارئین بھی دعائے مغفرت کریں۔

****